فقہی اختلافات کی حقیقت

عاصم نعیم*

اللہ تعالیٰ نے کائنات اور انسان کو متنوع اور متعدد روپ عطا کیے۔ نہ صرف زبان، رنگ، نسل، تہذیب وثقافت اور رجحانات میں انسان باہم منفرد ہیں بلکہ عقل وفہم اور فراست وذہانت میں بھی یکساں نہیں۔(۱) کچھ لوگوں کو ذہانت وفقاہت کے بلند مراتب حاصل ہوتے ہیں اور وہ اشیاء کی گہرائی تک پہنچ کر حقیقت کا سراغ پا لیتے ہیں جبکہ کچھ تخیلات واوہام کے زیر اثر حقیقت تک پہنچنے سے قاصر رہتے ہیں اور اشیاء کے ظواہر سے ہی آگاہ ہو پاتے ہیں۔ اس لئے انسانوں کے افکار ونظریات میں اختلاف ایک فطری امر اور ایک حد میں ناگزیر ہے۔ علاوہ ازیں نسلی، قومی، لسانی اور علاقائی تعصبات، تعلیمی، تدریسی اور فکری مناہج کا اختلاف اور آباء وقدما کی اندھی تقلید بھی اختلافِ افکار کا باعث ہے۔ بعض اوقات مرغوب اور من پسند اشیاء کی رغبت بھی انسان کو حق وعدل سے ہٹا دیتی ہے۔ لہٰذا اس اختلاف سے نہ تو بچا جا سکتا ہے، نہ اس کو ختم کیا جا سکتا ہے۔(۲) البتہ دیکھا جائے کہ کون سا اختلاف ناگزیر، اور محمود ہے، اور اور کون سا مصنوعی اور مذموم؟

وہ اختلاف جس میں اخلاقی وبنیادی شرطیں پورے طور پر ملحوظ رہیں، نفع بخش اور سودمند ہوتا ہے، جب کہ جس میں یہ شرطیں مفقود یا ناقص وکمزور ہوں، ضرر ونقصان کا باعث ہوتا ہے۔ علماءِ امت میں پیدا ہونے والا فقہی اختلاف بھی ناگزیر اور محمود اختلاف میں سے ہے، جس پر کتاب وسنت کے متعدد دلائل موجود ہیں۔ یہ اختلاف خود ذاتی طور پر محمود ومطلوب نہیں بلکہ یہ کئی مصالح کا باعث بنتا ہے اور نت نئی بدلتی زندگی کے تقاضوں کو پورا کرنے میں امت کو وسعت ملتی ہے۔ راقم نے زیرِ نظر مضمون میں اساسی حیثیت سے اختلاف کی شرعی نوعیت کا تذکرہ کیا ہے، اور اس کو کتاب وسنت، نیز صحابہؓ وعلماءِ مجتہدینؒ کی سیرت وکردار کی روشنی میں واضح کیا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی بعثت جس دور میں ہوئی، اس وقت دنیا گویا فسادِ بحر وبر کا منظر پیش کر رہی تھی۔ قرآن مجید کے الفاظ بھی اس کی شہادت دیتے ہیں:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ﴾ (۳)

''لوگوں کے اپنے کئے کی پاداش میں بحر وبر میں فساد برپا ہو گیا۔''

خطہ عرب خاص طور پر اس فساد کا مرکز تھا کہ جہاں کوئی مرکزی حکومت موجود نہ تھی۔ لوگ متفرق ومنتشر تھے۔ قبائلی نظام مروج تھا۔ ہر قبیلہ اپنے تئیں خود مختار تھا۔ لوٹ مار کا بازار گرم تھا۔ انسان غیر محفوظ وغیر مامون تھا اور کسی مسیحا کی تلاش میں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں اپنا آخری نبی ﷺ مبعوث کیا، جس نے ان کے دلوں کو ایمان کے ذریعے آپس میں جوڑ دیا اور وہ

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علومِ اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور، پاکستان

اللہ کی رحمت سے بھائی بھائی بن گئے۔

نبی اکرم ﷺ نے ان کے نسلی وقومی تعصبات کو باہمی محبت واخوت میں بدل کر رکھ دیا۔ ان حضرات کو تمدنی وسیاسی زندگی میں جن مسائل سے بھی واسطہ پڑتا، رسول اللہ ﷺ وحی الہیٰ کی روشنی میں اس کو حل فرمادیتے۔ صحابہ کرامؓ کو اپنے بہت سے سوالوں کے جواب رسول اللہ ﷺ کے فعل سے ہی مل جاتے۔ مثلاً صحابہؓ اسی طرح وضو کرتے جس طرح حضور ﷺ کو وضو کرتا دیکھتے۔ اس طرح نماز پڑھتے جس طرح حضور ﷺ کو نماز پڑھتا دیکھتے۔ یہی آپ ﷺ کا طریقہ تعلیم تھا۔ آپ ﷺ نے یہ کبھی بیان نہیں فرمایا کہ وضو یا نماز کے چار یا چھ فرض ہیں۔ غرض آنحضرت ﷺ سے صرف وہی مسائل دریافت کئے جاتے جن سے سابقہ پڑتا تھا اور آپ ﷺ ان کا فیصلہ فرمادیتے۔

نبی اکرم ﷺ کا جب وصال ہوا تو آپ ﷺ مسلمانوں کیلئے دو چیزیں (قرآن وسنت) چھوڑ گئے جن کو مضبوطی سے پکڑ لینے سے وہ گمراہی سے بچ سکتے تھے۔ مگر آپ کے وصال کے بعد ان معاملات میں جن میں قرآن وسنت کی واضح تصریحات موجود نہ تھیں، مسلمانوں میں مختلف قسم کے اختلافات نے جنم لیا۔ سلسلہ وحی کے انقطاع، صحابہ کرامؓ کے مختلف علاقوں میں سکونت اختیار کرنے اور بعد ازاں تغیر زمان ومکان کے ساتھ ان اختلافات میں وسعت آتی گئی۔ یہ اختلافات سیاسی بھی تھے اور کلامی بھی، عقائد میں بھی تھے اور احکام میں بھی۔ بہت سے وقتی مسائل میں صحابہؓ کے درمیان ابتداء اختلاف ہوا لیکن بعد میں ایسے اکثر مسائل میں وہ ایک رائے ہو جاتے تھے اور خاص طور سے بڑے اور دوررس اثرات رکھنے والے معاملات وامور میں ان کا اختلاف ضرور ختم ہو گیا، البتہ فقہی واحکامی اختلافات، جائز حدود کے اندر برقرار رہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ صحابہؓ کا اختلاف رحمتِ واسعہ ہے اور ان کا اتفاق حجتِ قاطعہ ہے۔ (۴)

جہاں تک احکامی وفقہی اختلافات کا تعلق ہے تو یہ بات ذہن میں رہے کہ قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ احکام میں کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوتا، سوائے اس کے کہ کوئی فرقہ باطلہ ایسی فاسد تاویل کرے، جس پر کوئی دلیل موجود نہ ہو؛ کیوں کہ ایسے اختلاف کا کوئی اعتبار نہیں۔ البتہ جو احکام ثبوت، تعارض یا اپنی مراد پر دلالت کرنے کے اعتبار سے ظنی ہوں، ان میں اختلافِ رائے ہو سکتا ہے۔ اسے شرعی جواز حاصل ہے۔ اس لیے کہ شروعی نصوص میں کئی احتمالات موجود ہیں جبکہ لوگ ذہنی و عقلی صلاحیتوں میں یکساں نہیں۔ صحابہ کرامؓ کے بعد تابعین کا زمانہ آیا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی سنت کے ساتھ ساتھ صحابہ کرامؓ کی مختلف توجیہات وتعبیرات کو محفوظ کیا اور نت نئے حالات ومسائل کے استنباط میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام دونوں کو راہ بر بنایا اور دونوں کی عطا کردہ روشنی سے استفادہ کیا۔ ظاہر ہے اختلاف، صحابہؓ میں موجود تھا۔ ہر تابعی کو یہ سہولت نہ تھی کہ تمام صحابہؓ کے اقوال جمع کر کے ان میں باہمی تطبیق وترجیح کی صورت نکالتا۔ پھر ان حضرات نے، جہاں تک ان کے بس میں تھا، مختلف اقوال جمع کئے اور ان میں سے بعض کو بعض پر قوی دلیل کی بنا پر ترجیح دی اور جو اقوال کمزور نظر آئے ان کو

چھوڑ دیا۔(۵)

صحابہ وتابعین کے اختلافات کے متعین اسباب تھے۔چونکہ فقہی مسالک کی بنیاد انہی کے شاگردوں آئمہ مجتہدین کے ذریعے پڑی اس لئے بعض جزوی، اجتہادی اور فروعی مسائل میں صحابہ کرامؓ اور تابعین کے اختلافات کی جھلک فقہی مسالک میں واضح طور پر نظر آتی ہے۔واضح رہے یہ اختلاف ان مسائل میں قطعاً نہیں جن پر دین اسلام کی بنیاد ہے۔

ائمہ مجتہدین میں اختلافات کے مخصوص اسباب ومضمرات درج ذیل ہیں:

۱۔ نص کے ثبوت وعدم ثبوت میں اختلاف

۲۔ فہم نص میں اختلاف

۳۔ متعارض نصوص کے جمع وترجیح میں اختلاف

۴۔ فقہی اصول اور بعض مصادر فقہ میں اختلاف

سبب اول: نص کے ثبوت وعدم ثبوت میں اختلاف:

تمام ائمہ مجتہدین کے نزدیک استنباط احکام کا مرجع اول نص شرعی ہے جو نص صحیح ثبوت، صریح دلالت اور تعارض سے مبرا مل گئی تو حکم میں اسی پر اعتماد کیا جاتا ہے اور اسی کی مخالفت نہیں کی جاتی۔اسی لئے کئی فقہاء سے یہ قول روایت کیا گیا ہے:

''اذا صح الحديث فهو مذهبی'' (٦)

''جب صحیح حدیث مل جائے تو بس وہی میرا طریقہ ہے۔''

نص کی حجیت کے باوجود بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ ایک امام کو نص ملی اور دوسرے کو نہ مل سکی۔علامہ عبدالرؤف مناوی نے حدود وتعزیرات کے ایک مسئلہ میں امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی آراء نقل کی ہیں، جو ایک موقوف روایت اور تعاملِ صحابہؓ کے مطابق نہیں ہیں، تو ساتھ شافعی اور مالکی علماء کے بیانات درج کیے ہیں کہ ان ائمہ کو یہ روایت پہنچ جاتی تو وہ اس کے مطابق فتوی دیتے:

كما قال صاحب التقريب معتذراً، لو بلغ الخبر الشافعی لقال به ، لانه قال اذا صح الحديث فهو مذهبی، و مثله قال الداء و دی معتذراً لمالک، لم يبلغ مالكاً هٰذاا لحديث، فرای العقوبة بقدر الذنب، ولو بلغه ما عدل عنه،... (٧)

''جیسا کہ صاحبِ تقریب نے معذرت پیش کرتے ہوئے لکھا ہے: اگر یہ روایت امام شافعیؒ کے علم میں آجاتی تو وہ اس کے مطابق فتوی دیتے، اس لیے کہ ان کا قول ہے، جب صحیح حدیث مجھے پہنچ جاتی ہے تو وہی میرا فتوی ہوتا ہے، اسی طرح

داودیؒ نے امام مالکؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ اگر یہ روایت ان کو پہنچ جاتی تو وہ تعزیری سزا کو جرم کے بقدر ہونے کا فتویٰ دیتے، اوراس روایت سے روگردانی نہ کرتے۔''

عبداللہ بن محمود الموصلی الحنفیؒ نے امام ابو یوسفؒ کا ایک قول نقل کیا ہے کہ امام ابو یوسفؒ نے بیع وقف کے مسئلہ میں اپنے امام (ابوحنیفہؒ) سے اختلاف کیا تھا اور فرمایا تھا:

''لو بلغ (هذا الحديث)ابا حنيفة (لقال به و)،لرجع اليه(يعنى عن بيع الوقف)'' (۸)

''اگر امام ابوحنیفہؒ کو یہ حدیث پہنچ جاتی تو اسی کے مطابق حکم لگاتے اور بیع وقف کے مسئلے میں اپنے موقف سے رجوع کر لیتے۔''

نص کے وصول وعدم وصول کی وجہ سے حکم میں اختلاف عہد صحابہؓ میں بھی موجود تھا۔ اس کی واضح مثال عہد فاروقیؓ میں پیش آنے والا وہ واقعہ ہے جسے صحیح بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے: حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ شام کیلئے رخت سفر باندھا۔ ابھی راستے میں ہی تھے کہ شام میں وبا پھیلنے کی خبر ملی۔ حضرت عمرؓ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ طلب کیا۔ لوگوں نے مختلف آراء پیش کیں۔ بعض نے وہیں ٹھہر جانے، بعض نے واپس چلنے اور بعض نے شام جانے پر اصرار کیا۔ کچھ دیر بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ وہاں پہنچے جو کسی کام کیلئے باہر گئے ہوئے تھے۔ انہوں نے جب اختلاف کے بارے میں سنا تو فرمایا:

''انَّ عِنـدِی فِی هٰذا عِلماً: سمعتُ رسولَ اللهِ ﷺ يقُولُ اِذَاسَمِعتُم بِهِ بِاَرْضٍ فَلا تَقْدَمُوا عَليهِ ، وَاذَاوَقَعَ بِارْضٍ وَ اَنْتُم بِها فلا تَخرُجُوا فِراراً مِنهُ''(۹)

''اس کا مجھے کچھ علم ہے: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم کسی زمین میں وبا کی خبر سنو تو وہاں مت جاؤ اور کسی زمین میں وبا پھوٹ پڑے تو وہاں سے مت بھاگو۔''

یہ گویا قولِ فیصل تھا۔''فَحَمِد اللّٰهُ تعالیٰ عمرؓ ثُمَّ انْصَرَفَ''(۱۰)

تو صحابہؓ کا یہ حال تھا کہ ایک بلکہ زائد احادیث بعض لوگوں کے علم میں نہ ہوتی تھیں، جب کسی سے علم ہو جاتا تو اس کو اپنا لیتے، اسی طرح بعد کے علماء کا معاملہ رہا، ابن حجر عسقلانی نے امام بیہقیؒ کا ایک جملہ نقل کیا ہے کہ: لو بـلـغ ابن عمرؓ حـديـث ضُباعة فی الاشتراط لقال به.. (۱۱) (اگر حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو حدیث ضباعۃ بنت زبیرؓ معلوم ہوتی تو وہ (عبادات کو) مشروط کرنے کے مسئلے میں حدیث کے مطابق ہی فتویٰ دیتے)

اسی لئے امام شافعیؒ، امام احمدؒ سے فرماتے تھے:

اذا صح عندكم الحديث عن رسول الله ﷺ فاخبروا نا به حتى نرجع الينا ۔(۱۲)

"جب تمھارے پاس رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث ہوتو ہمیں بتایا کروتا کہ (اگر ہمارا موقف اس سے ہٹ کر ہوتو) ہم اپنے موقف سے رجوع کرلیا کریں۔"

ربا الفضل کے جواز وعدم کا اختلاف بھی عدم وصولِ نص کا نتیجہ تھا۔ صحابہؓ میں سے حضرت ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ ربا الفضل کے جواز کے قائل تھے لیکن جب انہوں نے حضرت ابوسعید الخدریؓ کی حدیث سنی جس میں وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

"لا تبیعو اا الذهب بالذهب الاّمِثْلاً بِمِثْلٍ ولا تُشِفُّوا بعضها على بعضٍ ولا تبيعوا الوَرِقَ بِالوَرِقِ الا مثْلاً بِمِثْلٍ " (۱۳)

"سونے کو سونے کے عوض برابر برابر ہی فروخت کرو، اور کم زیادہ کر کے فروخت نہ کرو، اور چاندی بھی چاندی کے عوض برابر برابر فروخت کرو، اور کم زیادہ کر کے فروخت نہ کرو۔"

تو اپنے قول سے رجوع کرلیا۔ فقہاء کے اختلاف کا بھی ایک سبب یہی ہے۔

حدیث قُلَّتَين (۱۴)۔ اس کی واضح مثال ہے جو بہت مستند روایت ہے لیکن عہد تابعین میں یہ مشہور نہ ہوسکی اس لئے نہ تو سعید بن المسیبؒ اور نہ ہی امام زہریؒ اس کو جان سکے۔ نہ مالکیہ نے اس پر عمل کیا نہ احناف نے۔ لیکن امام شافعیؒ کے زمانہ میں یہ حدیث مشہور ہو چکی تھی۔ اس لئے انہوں نے اس پر عمل کیا۔ (۱۵)

ایک اور مثال "خِيَارِ مَجْلِس" (۱۶) والی حدیث ہے۔ یہ صحیح حدیث ہے اور کثیر طرق سے مروی ہے اور صحابہؓ میں سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ نے بھی عمل کیا لیکن یہ عہد تابعین کے فقہاء اور ان کے ہم عصر علماء تک نہ پہنچ سکی اس لئے یہ چیز امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک موجب جرح بن گئی لیکن امام شافعیؒ نے اس پر عمل کیا۔ (۱۷)

ائمہ مجتہدین میں سے کوئی بھی ایسا امام نہیں ہے جس نے کسی نص صریح کا انکار کیا ہو البتہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کہ ائمہ کو نصوص تو ملیں لیکن ایک کے نزدیک ثابت ہوگئی جبکہ دوسرے کے نزدیک ثابت نہ ہوئی۔ اسی طرح رجال ورواۃ حدیث کے ضعیف وثقہ ہونے کے اصول بھی باہم مختلف ہیں جن کی بناء پر ان میں اختلاف واقع ہوا۔ مثال کے طور پر:

(الف) خبر متواتر کے حکم میں اختلاف:

اصطلاح محدثین میں مستور راوی سے مراد وہ راوی ہے جس سے دو راوی روایت کریں مگر اس کے متعلق جرح و تعدیل کا علم نہ ہو (۱۸) بعض فقہاء نے مستور راوی کو عادل اور بعض نے فاسق قرار دیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ مستور راوی کو عادل تصور کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کا فرمان ہے:

"المسلمون عدول بعضهم على بعض "(۱۹)

جبکہ امام محمدؒ کے نزدیک راوی کا حکم فاسق کا ہے۔ اس اختلاف کی بناء پر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ حدیث قابل احتجاج ہوگی چاہے اس میں کوئی مستور الحال راوی ہو جبکہ دیگر فقہاء ایسی حدیث کو قابل احتجاج نہ سمجھیں گے۔ اس اختلاف کی بنا پر استنباط احکام میں کثیر اختلاف رونما ہوا۔

(ب) مرسل حدیث کی حجیت میں اختلاف:

علماء اصول کے نزدیک مرسل حدیث سے مراد وہ حدیث ہے جس میں ایک تابعیؒ، صحابیؓ کو چھوڑ کر براہ راست حضورﷺ سے روایت کرے۔ (۲۰) جہاں تک دوسرے اور تیسرے قرن کی مرسل احادیث کا تعلق ہے تو وہ علماء احنافؒ کے نزدیک حجت ہیں'' (۲۱) جبکہ امام شافعیؒ صرف اسی مرسل حدیث کو حجت تسلیم کرتے ہیں جس کی تائید کسی قرآنی آیت یا سنتِ مشہورہ سے ہو یا جس پر سلف کا عمل مشہور ہو۔ (۲۱) (ب)

(ج) حدیث جس کا راوی اپنی روایت پر عامل نہ ہو:

وہ روایت جس کے رواۃ میں سے کوئی راوی (خصوصاً تابعی یا صحابی) اپنی روایت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دے یا اس کا عمل اس کے مخالف ہو تو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس پر عمل نہیں کیا جائے گا جبکہ امام شافعیؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس پر عمل کیا جائے گا۔ اس کی مثال حدیث: **القضاء بالشاهد واليمين** (۲۲) ہے جسے ربیعہ نے سہیل بن ابو صالح سے روایت کیا ہے۔ سہیل سے ایک مرتبہ کہا گیا کہ ربیعہ آپ سے یہ حدیث بیان کرتے ہیں تو سہیل نے اس روایت کو تسلیم نہ کیا۔ اگرچہ ربیعہ اصحاب حدیث کے نزدیک ثقہ راوی ہیں۔ (۲۳)

اس روایت پر امام شافعیؒ نے عمل کیا مگر احناف نے عمل نہ کیا۔ اسی طرح حدیث عائشہؓ کہ:

''**ایما امراة نکحت بغیر اذن ولیها فنکاحها باطل ... الحدیث**'' (۲۴)

''جس عورت نے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا اس کا نکاح باطل ہے۔''

مذکورہ حدیث کے راویوں میں ابن شہاب زہری بھی ہیں مگر جب ان سے اس حدیث کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے اسے پہچاننے سے انکار کر دیا۔ خود حضرت عائشہؓ کا فتوی وعمل اس کے خلاف تھا۔ راوی کے انکار کی بنا پر امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ نے اس کو قابل استدلال قرار نہیں دیا، جب کہ امام محمدؒ اور امام شافعیؒ نے راوی کے انکار کے باوجود اس حدیث کو حجت مانا۔ (۲۵)

مندرجہ بالا امثلہ سے واضح ہوتا ہے کہ اختلاف فقہاء کا ایک بڑا سبب روایات کا ثبوت وعدم ثبوت ہے۔ تقریباً ہر امام کے کچھ اقوال وفتاوی ایسے ہیں جن سے گمان ہوتا ہے کہ ائمہ نے احادیث نبویہﷺ کی مخالفت کی اور شرعی نصوص سے اعراض کیا جبکہ یہ حقیقت کے خلاف ہے۔ امام ابن عبد البرؒ مذکورہ امر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''لیس لا حد من علماء الامة ان یثبت عنده حدیث عن النبی ﷺ ثم یرده دون ادعاء نسخ علیه باثر مثله اوباجماع اوبعمل علی اصله الانقیاد الیه اوطعن فی سنده، ولو فعل ذلک احد سقطت عدالته فضلاً ان یتخذ اماما ولزمه اثم الفسق...'' (۲۶)

''امت کا کوئی ایسا مجتہد نہیں جس کے سامنے آپ کی حدیث ثابت ہو جائے اور پھر وہ بغیر دعوی نسخ یا اجماع یا عمل یا سند میں طعن کے اعتراض کے، اس کو رد کر دے۔ اگر وہ ایسا کرتا ہے تو اس کی عدالت جاتی رہے گی چہ جائے کہ اسے امام مانا جائے، بلکہ اس پر ارتکابِ فسق کا حکم لازم ہو جائے گا۔''

سبب ثانی: شرعی نصوص کے فہم میں فقہاء کا اختلاف:

نص کے وصول اور ثبوت میں اتفاق کے باوجود بعض اوقات ثابت ہونے والی نص سے استنباط میں بھی اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً بعض نصوص کے الفاظ میں ہی احتمال ہے۔ اس کی ایک واضح اور مشہور مثال ''قروء'' کا لفظ ہے۔ قروء کا ایک معنی حیض اور ایک طہر ہے۔ بعض اوقات دونوں معانی بھی مراد لئے جاسکتے ہیں۔

''قال ابو عمرو بن العلاء " من العرب من یسمی الحیض قرءاً: ومنهم من یسمی الطهر قرءاً، ومنهم من یجمعهما جمیعاً، فیسمی الطهر مع الحیض قرءاً''(۲۷)

اس لئے فقہاء نے اس کے معانی کی تعیین میں اختلاف کیا ہے۔ امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

''فقال اهل الکوفة: هی الحیض، وهو قول عمر، وعلی، وابن مسعود، وابی موسی، ومجاهد، وقتادة، والضحاک، وعکرمة، والسدی، وقال اهل الحجاز: هی الاطهار: وهو قول عائشة، وابن عمر، وزید بن ثابت، والزهری، وابان بن عثمان، والشافعی...''(۲۸)

بعض اوقات حدیث کو سمجھنے میں ہی اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کی واضح مثال حدیث بنی قریظہ ہے کہ غزوہ بنی قریظہ کے وقت حضور ﷺ نے صحابہؓ کو محلہ بنی قریظہ جلد پہنچنے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا: ''لا یصلین احد العصر الافی بنی قریظة'' (۲۹)

راستے میں نماز کا وقت ہو گیا۔ بعض حضرات نے آپ کے اس ارشاد کا مطلب یہ لیا کہ مقصد جلدی کرنا اور چلنا ہے کہ تاخیر نہ ہو، لہٰذا انہوں نے راستے میں نماز پڑھ لی۔ اور بعض حضرات نے اس کو ظاہر پر رکھا تو انہوں نے بنی قریظہ جا کر پڑھی۔ حضور ﷺ نے دونوں کے اجتہادات صحیح قرار دیئے۔ (۳۰)

حضرت ابن عمرؓ نے آنحضرت ﷺ سے روایت کیا ہے کہ ''میت کے گھر والوں کے رونے سے اس پر عذاب ہوتا ہے'' (۳۱) حضرت عائشہؓ نے جب سنا تو کہا کہ وہ حدیث کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکے۔ بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک یہودیہ کی قبر کے پاس سے گزرے۔ اس کے گھر والے اس پر رو رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''یہ اس پر رو رہے ہیں اور اسے قبر میں عذاب ہو رہا ہے'' (۳۲) اس سے راوی نے یہ سمجھا کہ میت کے عذاب کا سبب اس کے گھر والوں کا رونا ہے اور یہ گمان کرلیا کہ یہ حکم ہر میت پر عائد ہوتا ہے۔ (۳۳)

ایک اور مثال یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک طواف میں رمل (اکڑ اکر چلنا) سنت ہے اور ابن عباسؓ کا مسلک یہ ہے کہ نبی ﷺ نے فعل رمل ایک وقتی ضرورت کے تحت اتفاقیہ کیا تھا۔ (۳۴)

رسول اللہ ﷺ نے حج کیا اور لوگوں نے آپ ﷺ کو حج کرتے دیکھا بعض نے کہا آپ ﷺ متمتع تھے اور بعض نے کہا آپ قارن تھے اور بعض اس طرف گئے کہ آپ مفرد تھے۔ (۳۵)

حج کے کئی مناسک میں اختلاف ائمہ کا ایک سبب یہی حدیث کی تعبیر میں غلط فہمی ہے۔ موقع ومحل کے مناسبت سے بعض اصحاب نے رسول اللہ ﷺ کے فعل کو قانونی حیثیت دی اور بعض نے حالات وتقاضا پر محمول کر کے اس کی مدت متعین کی۔ یہ فرق آگے چل کر بعض مسائل میں اختلاف کا سبب بنا۔

مذکورہ بالا امثلہ سے اسلام کے دو مشہور مدارسِ فکر: ''مدرسۂ ظاہر'' اور مدرسۂ مقاصد'' کی باہمی اختلافی آراء کو سمجھا جاسکتا ہے۔ ''مدرسۂ مقاصد'' شریعت کے مقاصد اور احکام کی تعلیل کو اہمیت دیتا ہے، بایں طور کہ نص سے ٹکراؤ اور مخالفت نہ ہو، جب کہ ''مدرسۂ ظاہر'' نص کی حرفیت وظاہریت کو پکڑتا ہے، اور اسی پر نگاہ رکھتا ہے۔ علت کی بنیاد پر حکم کی توسیع وقیاس کا انکار کرتا ہے۔ بعض ایسے علماء بھی ہیں، جو ان دونوں کے اصولوں سے حسبِ موقع فائدہ اٹھاتے ہیں۔

سبب ثالث: نصوص کے جمع وترجیح میں اختلاف:

شرعی نصوص اگرچہ ایک دوسرے کے معارض نہیں تاہم انسانی عقل وفہم کے آگے چند نصوص باہم معارض نظر آتی ہیں۔ جن نصوص میں بظاہر تعارض نظر آتا ہے اور ان کے بارے میں فقہا کا طرز عمل یہ رہا ہے کہ پہلے تو وہ ممکنہ حد تک نصوص میں جمع وتطبیق کی کوشش کرتے ہیں جب کہ جمع کرنا ممکن نہیں ہوتا تو پھر ایک کو دوسرے پر ترجیح دیتے ہیں۔

جمع وترجیح ایک نہایت مشکل عمل ہے جو عمدہ فہم وفراست اور عمیق غور وفکر کا متقاضی ہے، اس لئے شرعی احکام کے استنباط واستخراج میں فقہاء کے اختلاف کا ایک بڑا سبب یہی میدان جمع وترجیح ہے۔ چند مثالیں حسبِ ذیل ہیں:

(الف) صلوٰۃ کسوف اور اس میں قرأت کے بارے میں اختلاف:

امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور جمہور اہل حجاز اور امام احمدؒ کا کہنا ہے کہ صلوٰۃ کسوف کی دو رکعتیں ہیں اور ہر رکعت میں دو

رکوع ہیں جبکہ امام ابوحنیفہؒ اور اہل کوفہ کا کہنا ہے کہ صلوٰۃ کسوف میں دو رکعتیں ہیں اور ہر رکعت میں ایک رکوع ہے جیسا کہ عیدین و جمعہ کی نماز میں ہوتا ہے۔

اس اختلاف کا سبب صلوٰۃ کسوف کی کیفیت کے بارے میں مروی مختلف احادیث ہیں۔ حضرت عائشہؓ کی حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے دو رکعتیں پڑھیں اور ہر رکعت میں دو رکوع کیے۔ (۳۶) حضرت ابن عباسؓ کی ایک حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جبکہ امام ابوحنیفہؒ اور کوفیوں کی دلیل حضرت ابوبکرؓ اور کئی دوسرے صحابہؓ سے مروی صحیح حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صلوٰۃ کسوف دیگر نمازوں کی طرح ادا فرمائی۔ (۳۷) صلوٰۃ کسوف میں قرأت کا اختلاف بھی اسی نوعیت کا ہے۔ امام مالکؒ و شافعیؒ فرماتے ہیں: قرأت سری ہوگی جبکہ امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام احمدؒ اور اسحاق کا کہنا ہے کہ قرأت بلند آواز سے ہوگی۔ (۳۸)

(ب) قضائے حاجت کے وقت قبلہ رُخ ہونے کا اختلاف:

رسول اللہ ﷺ نے قضائے حاجت اور استنجاء کے وقت قبلہ رو ہونے سے منع فرمایا ہے۔ (۳۹) اس کے متعلق صحابہؓ کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ یہ حکم عام ہے اور غیر منسوخ ہے لیکن حضرت جابرؓ نے حضور ﷺ کو وفات سے ایک سال پہلے قبلہ رو پیشاب کرتے دیکھا۔ (۴۰) اس لئے ان کا خیال ہے کہ آپ ﷺ کے اس فعل سے پہلی ممانعت منسوخ ہوگئی اور ابن عمرؓ نے حضور اکرم ﷺ کو قبلہ کی طرف پشت اور شام کی طرف منہ کر کے قضائے حاجت کرتے دیکھا۔ (۴۱) لہذا آپ ﷺ نے بھی سابقۃ الذکر حکم کی تردید کی۔ بعض اصحاب نے دونوں روایتوں میں مطابقت کرنے کی کوشش کی چنانچہ شعبیؒ وغیرہ اس طرف گئے ہیں کہ ممانعت کا تعلق صحرا (کھلے میدان) سے ہے۔ لہذا اگر آدمی بیت الخلاء میں ہو تو قبلہ کی طرف رخ ہونے یا پشت ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (۴۲)

(ج) نماز میں امام کے پیچھے مقتدی کا فاتحہ پڑھنا:

اس ضمن میں ائمہ مجتہدین کے تین اقوال ہیں: ایک یہ کہ مقتدی فاتحہ پڑھے گا چاہے نماز سری ہو یا جہری۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا یہی موقف ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے فاتحہ نہیں پڑھے گا چاہے نماز سری ہو یا جہری۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے

تیسرا موقف یہ ہے کہ مقتدی سری نمازوں میں فاتحہ پڑھے گا لیکن جہری نمازوں میں نہیں پڑھے گا یہ امام مالکؒ کا قول ہے۔

ائمہ مجتہدین کی ان اختلافاتی آراء کا سبب نصوص کا بظاہر اختلاف و تعارض ہے۔

سبب رابع: فقہی اصولوں اور بعض مصادرِ فقہ میں اختلاف

فقہاء مجتہدین نے بعض مصادر کی حجیت اور اجتہادی اصولوں میں بھی باہم اختلاف کیا جس کے زیرِ اثر کئی مسائل میں ان کی آراء مختلف ہوگئیں۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں:

(الف) اہلِ مدینہ کے طریق سے استدلال میں اختلاف:

امام مالکؒ کے نزدیک اہل مدینہ کا اجماع مصادرِ قانون میں سے ایک مصدر ہے۔ ایک خط میں امام لیث بن سعد کو اس کی کئی وجوہات بھی لکھیں۔ (۴۳) جمہور نے امام مالکؒ کے اس موقف کو تسلیم نہ کیا۔ اس اصل میں اختلاف کی بناء پر کئی فروعی احکام میں اختلاف ظاہر ہوا۔ مثلاً امام مالکؒ ذی رحم رشتہ داروں مثلاً ماموں، چچا وغیرہ کو وراثت میں حق نہیں دیتے کہ اہل مدینہ کا عمل اسی پر ہے جبکہ احناف اور حنابلہ کا موقف اس کے برعکس ہے اور ان کی دلیل کتاب اللہ اور حدیث کا عمومی حکم ہے۔ (۴۴) جس میں حضورﷺ نے فرمایا: ''والخال من لاوارث له'' (۴۵) (اور جس کا وارث نہ ہو تو اس کا وارث ماموں (یا چچا) ہے)

(ب) مفہوم مخالفت کی حجیت میں اختلاف:

اس اختلاف کا اثر کئی مسائل پر پڑا۔ مثلاً آزاد عورت سے نکاح کرنے کی استطاعت کے باوجود مسلمان یا اہلِ کتاب کی لونڈیوں سے نکاح کرنے کا مسئلہ۔ جمہور کا کہنا ہے کہ لونڈیوں سے نکاح کی اجازت عدم طول کے ساتھ مشروط ہے کہ اللہ کا فرمان ہے:

''من لم يستطع منكم طولا ان ينكح المحصنات المئومنات فمن ما ملكت ايمانكم من فتياتكم المومنات... الخ''(۴۶)

''اور تم میں سے جو پاک باز مومن عورتوں سے نکاح کا مقدور نہیں رکھتا تو مومن لونڈیوں سے نکاح کر لے۔''

مذکورہ فرمان الٰہیٰ کے مفہوم مخالف سے جمہور کے قول کی تائید ہوتی ہے جبکہ احناف نے عدم طول کی شرط نہیں لگائی۔ ان کی دلیل اللہ کے فرمان کا عموم ہے جس میں ارشاد ہے:

﴿فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَآءِ﴾ (۴۷)

''پس جو عورتیں تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کرلو''

(ج) عام کو خاص پر محمول کرنے میں اختلاف:

جمہور کے نزدیک عام کی دلالت ظنی ہے اور خاص کی قطعی۔ لہذا خاص کی موجودگی میں عام پر عمل نہیں کیا جائے گا جبکہ احناف کا مئوقف اس کے برعکس ہے۔ مثال کے طور پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ کافر حربی کے قصاص میں مسلمان کو قتل نہیں کیا

جائے گا البتہ مسلمان کو کافر ذمی کے بدلے میں قتل کرنے میں اختلاف ہے۔ جمہور کی رائے میں کافر ذمی کے بدلے میں مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا ان کی دلیل احادیث ہیں جن میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

''لا يقتل مسلم بكافر'' (۴۸) ''کافر کے قصاص میں مسلم کو قتل نہیں کیا جائے گا۔''

اور ''الا لا يقتل مومن بكافر ولا ذوعهد في عهده'' (۴۹)

''اور نہ تو کافر کے قصاص میں مومن کو قتل کیا جائے گا اور نہ ہی ذمی کے قصاص میں۔''

درج بالا احادیث کافر ذمی کے قصاص میں مسلمان کے قتل کی ممانعت میں خاص ہیں۔ جبکہ احناف نے اللہ کے فرمان کے عمومی حکم سے استدلال کیا ہے جس میں ارشاد ہوا ہے۔

﴿يايها الذين امنوا كتب عليكم القصاص في القتلى......﴾ ''(۵۰)

''اے ایمان والو! قتل کے سلسلے میں تم پر قصاص فرض کر دیا گیا ہے۔'' اور ﴿وكتبنا عليهم فيها ان النفس بالنفس ....الخ﴾ (۵۱)

''ہم نے ان پر جان کے بدلے کا اصول فرض کر دیا ہے۔''

(د) مطلق کو مقید پر محمول کرنے میں اختلاف:

جمہور کی رائے یہ ہے کہ چند شروط کے ساتھ مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا جبکہ احناف کا کہنا ہے کہ مطلق کو مقید پر محمول نہس کیا جائے گا۔ اس اصل میں اختلاف کی بنا پر فروعات میں کئی اختلافات رونما ہوئے ہیں جیسے حرمت رضاعت میں دودھ کی مقدار کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ کا مئوقف ہے کہ دودھ کی مقدار چاہے قلیل ہو یا کثیر، حرمت لازم آ جائے گی۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن میں مطلقاً حکم وارد ہوا ہے:

﴿وامهاتكم الاتى ارضعنكم...الخ﴾ (۵۲) ''اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہو۔''

احادیث میں بھی آیا ہے۔ ''يحرم من الرضاع مايحرم من النصب ''(۵۳) رضاعت سے وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے ہوتے ہیں۔

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نے خمس رضعات کی شرط لگائی ہے اور اس ضمن میں وارد حضرت عائشہؓ کی روایت کو رضاعت کے بارے میں قرآنی آیات و احادیث کا مقید قرار دیا ہے۔ (۵۴) حضرت عائشہؓ کی روایت کے الفاظ ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

''لايحرم من الرضاع الخمس رضعات''(۵۵)

''پانچ رضعات (گھونٹ) سے کم پر رضاعی رشتے حرام نہیں ہوتے۔''

علاوہ ازیں بعض امور کا تعلق مرورِ زمانہ سے بھی ہے مثلاً امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کا عہد عہدِ نبوی ﷺ اور خلافتِ راشدہ کے قریب تر تھا، ابھی علم دین اور شریعت کے بارے میں بے احتیاطی، خود غرضی یا دیگر خرابیاں پیدا نہیں ہوئی تھیں۔ جب کہ بعد کے دور میں معاشرہ ایسا نہیں رہا اور ائمہ مجتہدین نے اس بات کا خیال رکھنا پڑا۔ چنانچہ بعض اصول میں اختلاف کا سبب یہی امر ہے۔

الغرض ائمہ مجتہدین کے فروعی مسائل میں اختلافات موجودہ مسلکی اختلافات کی طرح خواہشات نفسانی، شخصی پسند و ناپسند یا کسی تعصب یا بدنیتی کا نتیجہ نہ تھے۔ نصوص شرعیہ میں احتمالات اور انسانی عقل وفہم کے مدارج میں اختلاف کی وجہ سے ان فقہی اختلافات کا ظہور ایک فطری امر ہے۔ ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ زہد وتقویٰ، علم عمل اور ورع واحتیاط میں بے مثال تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ان کی اجتہادی آراء کا صلہ ضرور عطاء فرمائیں گے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے:

''اذا حکم الحاکم فاجتھد فاصاب فله اجران ، واذاحکم فاجتھد فاخطا فله اجر''(۵۶)

''جب حاکم فیصلہ کرتا اور اجتہاد کرتا ہے پس اگر صحیح فیصلہ کرے گا تو اس کو دو اجر ملیں گے۔ اگر خطا کرے گا تو ایک اجر ملے گا۔''

اس لئے امام آمدیؒ فرماتے ہیں:

''اتفق اھل الحق من المسلمین علی ان الاثم محطوط عن المجتھدین فی الاحکام الشرعیة''(۵۷)

''مسلمان اہل حق اس بات پر متفق ہیں کہ شرعی احکام میں مجتہدین کو گناہ نہیں ہوگا''

مختصر یہ کہ گزشتہ چودہ صدیوں میں مختلف اقالیم وامصار میں اسلام کے مختلف شعبوں میں ان باکمال بزرگوں کے کمالات کا ظہور ہوتا رہا۔ وہ اختلاف کو اختلاف نہیں سمجھتے تھے بلکہ اس کو عوام الناس کیلئے سہولت وگنجائش قرار دیتے تھے اور آپس میں ان کا تعلق اخوت ومحبت کا تھا۔ امام سفیان ثوری فرماتے ہیں:

''لا تقولوا اختلف العلماء فی کذا وقولوا قد وسع العلماء علی الامة بکذا'' (۵۸)

''یہ مت کہو کہ فقہاء نے فلاں مسئلے میں اختلاف کیا بلکہ یوں کہو کہ فلاں مسئلے میں علماء نے امت کیلئے وسعت پیدا کردی۔''

لہٰذا اہلِ علم کے ساتھ حسنِ ظن کا معاملہ کیا جائے، کسی عالم کے کسی قول کے بارے میں یہ نہ کہا جائے کہ اس نے کسی دلیل، یا نص کی مخالفت کی نیت کی یا حجتِ شرعیہ سے نکلنے کا ارادہ کیا ہے، بلکہ اس کے قول کی یہ تاویل کی جائے کہ دلیل اس کو نہیں پہنچی، یا دلیل کے خلاف کوئی اقوی بات اس کو معلوم ہوئی، یا اس نے خاص حالات وپس منظر کا لحاظ کیا، یا نص کے

ورود ونزول کے سبب یا واقع اور اس کے متعلقات کا لحاظ کیا۔(۵۹)

ضرورت ہے کہ امت کی صفوں میں پائے جانے والے دیگر مختلف قسم کے اختلافات و انتشارات کو منظم کیا جائے، اختلاف سے متعلق تعلیمات وہدایات، احکام ورہنمائیوں کو امت کے اندر عام کیا جائے، جن کی بناء و بنیاد مضبوط و منظم قواعد، علمی آداب اور اخلاقی اصول وضوابط پر ہو، اور پھر ان کے واسطے سے اختلاف کے قابلِ تعریف نتائج وآثار تک پہنچا جائے اور ان کو حاصل کیا جائے۔(۶۰) اہلِ علم، اور اہلِ دعوت کو اپنے اپنے دائرے میں متفق علیہ امور ونکات سے واقفیت حاصل کرنے کی طرف متوجہ کیا جائے۔سکول، کالجز اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ، اربابِ افتاء، اور طلباء سب پر لازم ہے کہ اپنے اقوال وآراء میں دقتِ نظر کو اپنائیں اور دلائل میں غور وفکر کر کے تحقیقی اندازِ فکر اپنائیں۔مسائلِ اختلافیہ میں سوچ سمجھ کر بات کریں۔اہلِ ایمان میں باہمی اُخوت ومحبت کو اجاگر کریں اور آپس میں پیدا ہونے والے بغض اور حسد وعداوت کی سختی سے حوصلہ شکنی کریں۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ جیسے ابوطیب متنبی کہتا ہے:

تخالف الناس حتی لا اتفاق لهم الا علی شجب والخلف فی الشعب

(لوگوں میں ایسا اختلاف ہے کہ ان میں کوئی اتفاق نہیں رہ گیا، البتہ موت پر اتفاق ہے اور موت کے بارے میں بھی اختلاف ہے)

فقیل تخلص نفس المرء سالمة و قیل تشرك جسم المرء فی العطب

(بعض لوگ کہتے ہیں کہ موت کے بعد انسان کی روح محفوظ رہتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ روح بھی جسم کے ساتھ موت میں شریک ہوتی ہے) قرآن میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ومن اٰیته خلق السمٰوٰت والارض واختلاف السنتكم و الوانكم ان فی ذلك لآیٰت للعٰلمین﴾(الروم: ۲۲)

(اور اس کی نشانیوں میں سے آسمان اور زمین کا بنانا ہے اور تمہارے لب ولہجہ اور رنگوں کا الگ ہونا ہے، اس میں دانش مندوں کے لیے نشانیاں ہیں)

۲۔ جیسے قرآن میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: **ولا یزالون مختلفین الا من رحم ربک ولذٰلک خلقهم** (ہود: ۱۱۸-۱۱۹)

(یہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے مگر جس پر آپ کے ربّ کی رحمت ہو اور آپ کے ربّ نے ان کو اسی واسطے پیدا کیا ہے)

یہ اختلافِ رائے گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے؛ کیوں کہ لوگوں کی سوچ میں فرق کی بنا پر جو اختلافِ رائے پیدا ہو رہا ہے، وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا اور یہ بات بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت میں تھی کہ ان مسائل کو قرآن مجید ہی میں صراحت و وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا جاتا تا کہ کوئی اختلاف کی نوبت نہ آئے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں فرمایا، اس سے صاف ظاہر ہے کہ بعض مسائل میں اختلافِ رائے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔

۳۔ الروم: ۴۱ ۴۔ ابن قدامه: لمعة الاعتقاد، ص ۳۵

۵۔ امینی، تقی، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۹۲ء، ص ۳۸۵

۶۔ الصنعانی، محمد: سُبُل السَّلام بِشرحِ بُلُوغِ المرام، كتاب الجنايات والحدود، ص ۲۱۵؛ ابو شهبة، محمد بن محمد: الاسرائيليات والموضوعات فی كتب التفسير، باب غلبة الضعف فی التفسير بالماثور، مكتبة السنة بمصر، ص ۱۰۶؛ ابو زهره، حيات امام ابو حنيفه (مترجم اردو)، المكتبة السلفيه، لاهور ۱۹۶۲ء، ص ۴۲۷

۷۔ المناوی، عبدالرئوف: فيض القدير شرح جامع الصغير، دارالكتب العلمية، بيروت، ۱۹۹۴ء، ۶/ ۵۷۷

۸۔ الموصلی، عبدالله بن محمود، الحنفی: الاختيار لتعليل المختار، كتاب الوقف، دارالكتب العلمية بيروت، ۲۰۰۵ء، ۳/ ۴۷

۹۔ مالك، الامام، الموطا (مع شرح الحوالك) باب ماجاء فی الطاعون، مصر، ۱۳۵۶ھ، ۲/ ۲۰۵؛ بخاری: الجامع الصحيح، كتاب الطب، باب ما يذكر فی الطاعون، ۱۸/ ۳، رقم الحديث: ۵۲۸۸

۱۰۔ مالك: الموطا، حوالہ سابق

۱۱۔ عسقلانی، ابن حجر: موقع الاسلام، كتاب الحج، باب الاحصار فی الحج، ۶/ ۱۹، رقم الحديث: ۱۶۸۲

۱۲۔ اصفهانی، ابو نعيم: حلية الاولياء، ۹/ ۱۷۰؛ الدمشقی، ابن عساكر: تاريخ الدمشق، ۵۱/ ۳۸۵

۱۳۔ مسلم، الجامع الصحيح (مع الشرح للنووی) كتاب المساقات والمزارعة، باب الربا، لاهور ۱۹۸۱ء، ۴/ ۳۰۸، رقم الحديث: ۲۹۶۴

۱۴۔ یہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے میدانوں اور جنگلوں کے پانی کے بارے میں سوال کیا گیا جس پر درندے اور چوپائے بار بار آتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا جب پانی دو قُلّوں کی مقدار میں ہو تو ناپاک نہیں ہوتا۔ الترمذی، الجامع

الصحیح ، وھوالسنن ، ابواب طھارۃ باب ماجاء ان الماء لا ینجسہ، مصر ۲/۳۵۶، ۱: ۹۷، رقم الحدیث: ۶۲

۱۵۔ ولی اللہ، شاہ ، الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، لاھور، (س۔ن)، ص ۲۹

۱۶۔ پوری حدیث اس طرح ہے: ان رسول اللہ ﷺ قال البَیِّعان کُلُّ واحدٍ منھُما بِالْخِیارِ عَلی صاحِبِہِ مالم یتفرَّقا اِلَّا بَیْع الْخِیارِ. (دونوں سودا کرنے والوں کو مجلس سے الگ ہونے سے پہلے پہلے تک سودے کی منسوخی کا اختیار ہوتا ہے، ہاں اگر بیع خیار ہو تو مجلس کی برخاستگی کے بعد بھی منسوخی کا اختیار رہتا ہے۔) مسلم، الجامع الصحیح (مع الشرح للنووی) ، کتاب البیوع، باب ثبوت خیار المجلس للمتابعین، حوالہ مذکور، ۱۵۵/۴، رقم الحدیث: ۲۸۲۱

۱۷۔ ولی اللہ، شاہ، الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، لاھور، (س۔ن) ، ص ۲۹

۱۸۔ محمد عجاج، الدکتور، اصول الحدیث، طبع، بمصر ، ص ۲۷۱؛ عسقلانی، ابن حجر: نزھۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر ، مکتبۃ مشکاۃ بمصر، ص ۲۶

۱۹۔ السرخسی، المبسوط، طبع بمصر، ۱۳۴۰ھ، ۱ /۲۷ ؛ العینی، بدرالدین احمد بن محمود: عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، کتاب الشھادات، باب شھادۃ القاذف، بیروت، ۲۰۰۶ء، ۲۰ / ۲۵۸

۲۰۔ الطحان ، الدکتور، تیسیر مصطلح الحدیث، فاروقی کتب خانہ، ملتان، ص ۷۰

۲۱۔ السرخسی، المبسوط، طبع بمصر، ۱۳۴۰ھ، ۳۶۰/۱

۲۱۔(ب) مراسیل احادیث کے بارے میں ائمہ فقہ وحدیث کے مؤقف کے لیے دیکھیے!

عسقلانی، ابن حجر: النکت علی ابن الصلاح، الفصل الاول، شائع المدینۃ المنورہ، ۱۹۸۴ء، ۶۹/۱

۲۲۔ بیھقی،ابوبکر احمد بن حسین: السنن الکبری، کتاب الشھادات، باب القضاء بالیمین مع الشاھد،مجلس دائرۃ المعارف حیدرآباد، ۱۳۴۴ھ، ۱۶۸/۱۰، رقم الحدیث: ۲۱۱۵۳؛ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔۔۔حدثنا سلیمان بن بلال عن ربیعۃ عن سھیل بن ابی صالح عن ابیہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ: ان رسول اللہ ﷺ قضی بالیمین مع الشاھد

۲۳۔ السرخسی، المبسوط، طبع بمصر، ۱۳۴۰ھ، ۲/۳، امام سرخسی کے الفاظ ھیں: وبیان ھذا فیما رواہ ربیعۃ عن سھیل بن ابی صالح من حدیث القضاء بالشاھد والیمین ثم قیل لسھیل ان ربیعۃ یروی عنك ھذالحدیث فلم یذکرہ و جعل یروی و یقول حدثنی ربیعۃ عنی وھو ثقۃ وقد عمل الشافعی بالحدیث مع انکارالراوی ولم یعمل بہ علمائونارحمھم اللہ

۲۴۔ الترمذی، الجامع الصحیح ، کتاب النکاح، باب ماجاء لانکاح الابولی، ۴۰۸/۳

۲۵۔ ابن رشد، بدایۃ المجتھد، طبع بمصر، ۱۳۷۹ھ، کتاب النکاح، ص ۲۴

۲۶۔ ابن عبد البر، جامع بیان العلم وفضلہ، مکتبۃ منیریہ، مصر، ۱۳۸/۳

۲۷۔ قرطبی ، الجامع الاحکام القرآن، مصر ۱۹۳۶، ۱۱۳/۳

۲۸۔ ایضاً، ص ۲۳

۲۹۔ بخاری، الجامع الصحیح ، کتاب المغازی ، باب مرجع النبی ﷺ من الاحزاب، کراچی، ۵۶۷/۲

۳۰۔ ابن حجر، فتح الباری، ۴۱۱/۸

۳۱۔ الترمذی، الجامع، الصحیح، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی الرخصۃ فی البکاء، ۳۲۷/۳

۳۲۔ ایضاً ۳۳۔ ولی اللہ، شاہ، الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، ص ۱۰

۳۴۔ ایضاً ۳۵۔ ایضاً

۳۶۔ بخاری، الجامع الصحیح ، ابواب الکسوف، باب الرکعۃ الاولی فی الکسوف، ۴۲۷/۱

۳۷۔ ایضاً ۳۸۔ ابن رشد، بدایۃ المجتھد ونھایۃ المتقصد، ۲۱۵/۱

۳۹۔ الترمذی، الجامع الصحیح، ابواب الطھارۃ، ۱۵/۱

۴۰۔ ایضاً ۴۱۔ ایضاً ۴۲۔ ایضاً

۴۳۔ البیانونی، ابوالفتح، دراسات فی الاختلاف الفقیة، مکتبة الهدی، حلب، ١٩٧٥ء، ص ٧٢

۴۴۔ ایضاً

۴۵۔ الترمذی، الجامع الصحیح ، ابواب الفرائض، باب ماجاء فی میراث الخال، کراچی، ٧٦٨/١

۴۶۔ النساء: ٢٥ ۴۷۔ النساء: ٣

۴۸۔ بخاری، الجامع الصحیح، ابواب الدیات، باب لایقتل المسلم بالکافر، ٧٥٥/٣

۴۹۔ ابوداؤد، السنن، کراچی، ١٤٤/٢ ۵۰۔ البقرة: ١٨٧

۵۱۔ المائدة: ٤٥ ۵۲۔ النساء: ٣٣

۵۳۔ الترمذی،محمد بن عیسی: الجامع الصحیح، کتاب الرضاع، ٤٥٠/٣

۵۴۔ ابن رشد، بدایة المجتهدو نهایة المقتصد، کتاب النکاح، ٢٢/١

۵۵۔ الترمذی، الجامع الصحیح، کتاب الرضاع، ٤٥٥/٣

۵۶۔ بخاری، الجامع الصحیح، باب اجرالحاکم اذاجتهد فاصاب اواخطاء، ٩٤٨/٣

۵۷۔ الآمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، ٢٤٤/٤

۵۸۔ الشعرانی، عبد الوهاب، المیزان الکبری، قاهره، ١٢٧٩ه، ص ٢١٨

۵۹۔ ضرورت ہے کہ ہم اپنے مدارس اور تعلیمی اداروں میں نیز مساجد میں اختلاف کے آداب واخلاقیات کے درس وتدریس کا اہتمام ونظم کریں، اور اپنے نوجوان لڑکوں ولڑکیوں کو اس کی عملی تربیت ومشق پر محنت کرائیں تاکہ یہ چیز ایک ہی وقت میں ہماری عادت بھی ہو اور عبادت بھی ہو۔تفصیل کے لیے دیکھیئے! سلمان فہد عودہ:فقہ الاختلاف ___ و لا یزالون مختلفین، (اردو ترجمہ:محمد عبیداللہ الاسعدی، بعنوان: اختلافِ رائے)، ایفا پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۲۰۱۲ء (صفحات ۱۵۹)۔جیسے صاحب کتاب نے امام شافعیؒ کا ایک قول نقل کیا ہے جو انہوں نے اپنی کتاب ''الام'' میں نقل کیا ہے کہ جو آدمی کسی علمی وفقہی مسئلہ میں مجھ سے اختلاف رکھتا ہے، میں اس سے یہ نہیں کہتا کہ وہ اللہ سے توبہ کرے کیوں کہ توبہ گناہوں سے ہوتی ہے، اور ایسا آدمی (گنہ گار نہیں ہوتا بلکہ) ایک اجر یا دو اجر کا حق دار ہوتا ہے۔ص ۱۰۳

۶۰۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے! سلمان فهد عوده: فقه الاختلاف،ص ١٤١، ١٤٢ ؛ البیانونی، ابوالفتح، دراسات فی الاختلاف الفقهیة، مکتبة الهدی، حلب، ١٩٧٥ء، ١٠١ صفحات ؛ شاه ولی الله: الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف، دارالنفائس بیروت، ١١١ صفحات ؛ السعیدان، ولید بن راشد: وجوب الجمع بین الادلة، ١٢٠ صفحات ؛ علی بن نائف الشهود: الخلاصة فی بیان اسباب اختلاف الفقهاء، ٣٦١ صفحات